دین میں ضعیف روایات حجت کیوں نہیں؟

ابوالانعام مولانا محمد صفدر عثمانی
گوجرانوالہ

ضعیف روایات دین میں اس لئے حجت نہیں کہ کسی بھی روایت پر ضعیف کا حکم تب ہی لگایا جاتا ہے جب اس کی صحت مشکوک اور غیر یقینی ہو مگر نہایت افسوس کی بات ہے کہ بعض علماء فضائل اعمال کی آڑ میں عقائد اور احکام تک ان روایات کا دائرہ وسیع کر دیتے ہیں حالانکہ فضائل اعمال بھی دین کا ہی حصہ ہیں حق تو یہ ہے کہ ان میں بھی صرف صحیح روایات ہی قبول کی جائیں تاکہ شک اور غیر یقینی باتوں سے اجتناب کیا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وما یتبع اکثرھم الا ظنا ان الظن لا یغنی من الحق شیئا

اور ان میں کہ اکثر لوگ صرف اٹکل پچو باتوں پر چلتے ہیں حالانکہ یقینی امور کے موقع پر محض اٹکل اور وہمی باتیں کچھ بھی سود مند نہیں ہوا کرتیں (سورۃ یونس ۳۶) مگر بعض حضرات اپنے موقف کے لئے امام احمد بن حنبل اور ابن مبارک کو پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے بھی ضعیف روایات کو قبول کیا ہے ضعیف روایات کو قبول کرنے میں ان دونوں شخصیات نے تساہل سے کام لیا ہے اس کے برعکس اکثر آئمہ کرام اور نقاد محدثین مثلاً امام بخاریؒ امام مسلمؒ، امام ابن حزمؒ، امام یحییٰ بن معینؒ اور امام ابو بکر ابن العربیؒ وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ ضعیف روایات عقائد احکام اور فضائل اعمال وغیرہ کہیں بھی قابل قبول نہیں کیونکہ دلیل کی بنیاد محکم دلائل پر رکھی گئی ہے نہ کہ ضعیف اور مشکوک روایات پر اس لئے صحابہ کرامؓ صرف صحیح روایات پر ہی عمل پیرا تھے ضعیف روایات میں غیر یقینی بات کا احتمال ہوتا ہے۔ باوجود اس کے کہ امام احمد بن حنبلؒ ضعیف روایت کے قبول کرنے کے قائل تھے مگر انکے نزدیک بھی متاخرین کی بیان کردہ ضعیف روایات متروک، باطل منکر ہیں اور نہ وہ حدیث ہی دلیل ہے کہ جس کے راوی متہم ہوں بلکہ ان کے نزدیک بھی وہ ضعیف روایت ہے جو حسن درجہ کی ہو کیونکہ اس وقت حسن بھی ضعیف کے درجہ میں سمجھی جاتی تھی۔

جن آئمہ کرام نے ضعیف روایت قبول کی ہیں انہوں نے بھی مطلق ضعیف روایات قبول نہیں کیں بلکہ تین شرائط بھی ساتھ لگا دی ہیں کہ جب تک یہ تین شرائط نہ ہوں اس وقت تک ضعیف روایت قبول نہ ہوگی۔ لبنان کے مشہور محقق علامہ ڈاکٹر صبحی صالح اپنی تحقیقی تالیف علوم الحدیث میں فرماتے ہیں کہ لوگ عموماً یہ عبارت نقل کیا کرتے ہیں کہ یجوز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال (فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔) اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ روایت حدیث میں سہل انگاری سے کام لیتے ہیں اور وہ حدیثیں بھی روایت کرنے لگتے ہیں جو ان کے نزدیک بھی صحیح نہیں ہوتیں اسی طرح دین اسلام میں اکثر ایسے اعمال اور تعلیمات کا عمل دخل شروع ہو جاتا ہے۔ جن کی شرعاً کوئی دلیل نہیں یہ عبارت یونہی سالہا سال سے زبان زد عام چلی آ رہی ہے۔ حالانکہ اس کی اصل حقیقت صرف اتنی ہے کہ یہ تین آئمہ کبار کی جانب منسوب عبارت کا چربہ اور اس کی صدائے بازگشت ہے اور بس۔ وہ تین آئمہ امام احمد بن حنبل عبدالرحمٰن بن مہدی اور عبداللہ بن مبارک ہیں ان کا قول ہے کہ جب ہم حلال وحرام کے بارے میں کوئی حدیث روایت کریں گے تو اس میں تشدد سے کام لیں گے اور جب فضائل اعمال میں کوئی حدیث روایت کریں گے تو اس میں سہل انگاری برتیں گے (الکفایہ 133) بات یہ ہے کہ آئمہ ثلاثہ کی جانب منسوب اس عبارت کا مطلب صحیح

طور سے سمجھا نہیں گیا انہوں نے جس تشدد کا ذکر کیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اس طرح تقابل کریں گے جسطرح حدیث صحیح ضعیف حدیث کی مقابل اور ضد ہوتی ہے اور اس طرح ہم فضائل اعمال میں احادیث ضعیفہ سے احتجاج کریں گے واقعہ یہ تھا کہ محدثین حلال و حرام سے متعلقہ مسائل میں سختی برتنے کے خوگر تھے اور صرف انہی احادیث سے احتجاج کرتے تھے جو صحت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتیں اور جنکو بالا تفاق صحیح قرار دیا جاتا تھا بخلاف اس کے کہ جب حلال وحرام کے علاوہ فضائل اعمال کے بارے میں حدیث روایت کرنا مقصود ہوتا تو تشدد کی ضرورت نہ سمجھتے اور صرف احادیث صحیحہ (یعنی اعلیٰ درجہ کی شرط عائد کئے بغیر) اس سے اخذ واحتجاج کرتے بلکہ اس سے نیچے اتر کر وہ ان روایت سے بھی احتجاج کرتے تھے جو صحیح کے درجہ سے فروتر ہوتیں جنکو ہم حسن کہتے ہیں اور جو اس دور میں اس نام سے معروف نہ تھیں حسن روایت کو متقدمین کے عصر وعہد میں حدیث ضعیف ہی کی ایک قسم قرار دیا جاتا تھا اگر چہ:

۱۔خود ان کے نزدیک بھی اس کا درجہ ان ضعیف احادیث کے مقابلہ میں بڑھ کر ہے جنکو آگے چل کر ضعیف اصطلاحی قرار دیا گیا (الباعث الحثیث ۱۰۱) اور اگر عام لوگ اس حقیقت سے آگاہ ہوتے کہ فضائل اعمال میں سہل انگاری کا مطلب محدثین کرام کے نزدیک صرف یہ تھا کہ وہ اس ضمن میں احادیث حسن سے احتجاج کیا کرتے تھے جن کا درجہ احادیث صحیحہ کے بعد ہوتا ہے تو وہ یہ عبارت ہرگز نقل نہ کرتے دین اسلام میں ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ضعیف حدیث کسی حکم شرعی یا فضائل اعمال کیلئے مصدر و ماخذ قرار نہیں دی جا سکتی (اس لئے کہ حدیث ضعیف کی اساس ظن پر رکھی گئی ہے اور ظن کسی صورت میں بھی حق کی جگہ نہیں لے سکتا پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ فضائل شرعی احکام کی طرح دین کے بنیادی ستونوں کی حیثیت رکھتے ہیں یہ کسی طرح جائز نہیں کہ دین کی اساس و بنیاد ایسے ستونوں پر رکھی گئی ہو جو بالکل کمزور اور قوت و استحکام سے یکسر عاری ہوں خلاصہ یہ کہ ہم اس بات کو تسلیم کرنے کیلئے ہرگز تیار نہیں ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیثوں کو معمول بہ بنا سکتے ہیں اگر چہ وہ شرائط ان میں موجود بھی ہوں جنکو آسانی ڈھونڈنے والوں نے اس ضمن میں ضروری ٹھہرایا ہے ان کے خیال کے مطابق یہ شراط تین ہیں: ۱۔پہلی شرط یہ ہے کہ وہ روایت بہت زیادہ ضعیف نہ ہو۔۲۔وہ ان اصول وکلیات سے ہم آہنگ ہو جو کتاب و سنت صحیحہ سے ثابت ہیں۔۳۔اس سے قوی دلیل اس کی معارض نہ ہو ان شروط کے باوصف ہم ضعیف حدیث کو تسلیم کرنے میں تیار نہیں ہیں اس لئے کہ ہم اس پر عمل کرنے سے بے نیاز ہیں ہمارے پاس احادیث میں حسن و صحیح کی احکام شرعیہ اور فضائل میں اس قدر کثرت ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے حدیث ضعیف کو تسلیم کرنے کی کچھ حاجت نہیں۔عدم تسلیم کی وجہ یہ بھی ہے کہ حدیث ضعیف کا ثبوت ہمارے قلب وضمیر میں ہمیشہ کھٹکتا رہے گا اور ہمیں کبھی بھی اطمینان قلب حاصل نہ ہوگا اور اسی شک وشبہ کی وجہ سے ہم اس کو ضعیف کہتے ہیں حالانکہ دینی امور میں یقین و اتقان کی ضرورت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ حدیث نبوی کے درس و مطالعہ کے دوران حدیث ضعیف کے ضعف کا کشف و بیان نہایت ضروری ہے اس کے ساتھ ساتھ ایسے الفاظ سے احتراز و اجتناب ضروری ہے جن سے سامع کو یہ تاثر ملے کہ یہ یقینی طور پر صحیح حدیث ہے مثلاً یوں نہ کہا جائے کہ آنحضرت نے فرمایا: کیونکہ سامع وقاری یہ سن کر اس وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث حسن یا صحیح ضرور ہو گی الخ (علوم الحدیث مترجم ۲۷۳ تا ۲۷۶)

لمحہ فکریہ

۱۔مذکورہ تفصیل سے واضح ہوا کہ مطلقاً ضعیف روایات پر عمل صحیح نہیں۔

۲۔ضعیف روایات پر عمل کے وقت مذکورہ بالا تین شرائط لازمی ہیں۔

۳۔ضعیف روایت پر عمل کے وقت یہ یقین نہ ہو کہ یہ عمل حدیث رسول اللہ سے ثابت ہے۔

قارئین کرام آنحضرت کا فرمان ہے: انما الاعمال بالنیات (متفق علیہ) کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے لیکن اس کے برعکس ضعیف روایت پر عمل کے بارہ میں کہا جارہا ہے کہ ان پر عمل کے وقت یہ نیت نہ ہو کہ رسول اللہ سے ثابت ہے جب عمل کرنے والے کو یقین ہی نہیں کہ یہ عمل حدیث رسول سے ثابت ہے تو اجر وثواب کا مستحق کیسے ٹھہرے گا؟ نیز اس صورت میں تو عمل کرنا نہ کرنا دونوں برابر معلوم ہوتے ہیں

بلکہ حق یہ ہے کہ ضعیف روایات پر عمل نہ کیا جائے کیونکہ ایسا نہ ہو کہ کہیں آنحضرت پر بہتان لگ جائے اور آپ نے فرمایا کہ مجھ پر بہتان لگانے کی سزا آگ ہے کیونکہ آنحضرت کا فرمان ہے جو یہ کہے کہ میں نے یہ کہا ہے اور میں نے وہ نہ کہا ہو تو وہ آدمی اپنا ٹھکانا آگ میں بنالے اگر کہا جائے کہ ہوسکتا ہے ضعیف روایت بھی صحیح ہو اور شک کی بنا پر چھوڑ دی گئی ہو تو گذارش ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہوتا اس لئے کہ ضعیف صحیح کی ضد ہوتی ہے۔ نیز شک کی بنا پر چھوڑے گئے عمل پر گرفت نہ ہوگی کیونکہ آپ کا فرمان ہے:

دع ما یریبک الی مالا یریبک فان الصدق طمانیة وان الکذب ریبة (ترمذی) کہ چھوڑ دے وہ چیز کہ شک میں ڈالے تجھ کو طرف اس چیز کے کہ شک میں نہ ڈالے تجھ کو اسلئے کہ صدق و اطمینان ہے دل میں اور کذب اضطراب ہے یعنی شک ہے نیز پہلے سورۃ یونس کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ گمان نہیں۔ (کفایت کرتا حق سے کچھ)

قارئین کرام: یہ تھی ضعیف روایات کے قبول نہ ہونے کی وجہ اور حقیقت جو آپ نے ملاحظہ فرمائی ہے اگر قائلین کو ضعیف روایات کی حقیقت کا پورا علم ہوتا تو ان بوسیدہ تنکوں کے سہارے پر تحقیق کے سمندر میں موجوں سے ٹکراتے ہوئے منزل پر پہنچنے سے محروم نہ رہتے۔

چمک سکے نہ جو شب غم میں وہ ستارے کیا
ساتھ چھوڑ دیں طوفان میں وہ کنارے کیا

بقیہ: اسلامی معاشرہ کے چند اصول

جیسا لباس پہنتی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری ۱۰/ ۲۷۹ میں طبری کا قول نقل کیا ہے جس کا مفہوم ہے کہ جس طرح مردوں کیلئے لباس، زینت میں عورتوں کی مشابہت حرام ہے اسی طرح کلام اور بول چال ڈھال میں بھی منع ہے مثلاً مردوں کو کپڑا ٹخنے سے نیچے لٹکانا حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ما اسفل من الکعبین من الازار ففی النار۔ کہ جس کا کپڑا ٹخنے سے نیچے ہوگا وہ حصہ جہنم میں جائے گا۔ امام ذھبیؒ نے مرد و عورت کی ایک دوسرے سے مشابہت کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔ الغرض ہر وہ طریقہ اور ہیئت جو عرف عام میں عورتوں کیلئے ہے مردوں پر حرام ہے اور اسی طرح اس کے برعکس بھی (نوٹ) مسلمان شریف زادیوں کو فاسقہ، فاجرہ اور کافرہ عورتوں کے ساتھ بھی مشابہت نہیں کرنی چاہیے اور یہی حکم نوجوان مردوں کا بھی ہے۔ بالخصوص اس دور میں جبکہ مغربیت کی یلغار ہے، الغرض یہ ساری حدود و قیود، وجوب پردہ، بے پردگی اور مرد و زن کے اختلاط سے اجتناب، اجنبی (غیر محرم) کے ساتھ خلوت اور سفر سے پرہیز، زینت کو عام لوگوں سے چھپانا، اجازت لیکر گھر میں داخل ہونا، مرد و زن کا ایک دوسرے سے مشابہت سے بچنا معاشرے کو انتشار اور فتنوں سے بچانے کا نسخہ کیمیا ہے۔ مصیبت آنے سے پہلے اس کا علاج کرنا ہی عقل مندی ہے۔ مثل مشہور ہے۔

''پرہیز علاج سے بہتر ہے''۔

بقیہ: جشن عید میلاد

آمد سے انقلاب آیا اور ان کی زندگیاں سنور گئیں۔ مگر جن کی وضع قطع، بود و باش، رہن سہن، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سونا جاگنا، حتی کہ نماز روزہ، اذان، خوشی غمی، ایک ایک عمل رسول اللہ کی سنت اور آپ کے اسوہ حسنہ کے خلاف ہو اس قوم کو ولادت کے جشن منانے کا کوئی حق ہے؟

ربیع الاول میں آنے والے سے محبت کا دعوی کرنے والو ان کی یاد میں عید میلاد اور مجلسوں کا انعقاد کر کے مدح و ثناء کی صدائیں بلند کرنیوالو کیا تمہیں یاد نہیں کہ جس کی یاد میں تم مجلس منعقد کرتے ہو جس کی محبت کا تمہاری زبان دعوی کرتی ہے جس کی یاد میں تم جلوس نکالتے ہو اس کی فراموشی کیلئے تمہارا ہر عمل گواہ ہے جس کی محبت میں تمہاری زبانیں زمزمہ سرا ہیں اس کی عزت و ناموس کو تمہارا وجود بٹہ لگا رہا ہے۔ وہ تو دنیا میں اس لئے آئے تھے کہ انسانوں کو انسانی بندگی سے ہٹا کر صرف اللہ تعالی کی بندگی کی راہ پر چلائے۔ مگر افسوس تم نے ان کی تعلیمات کو چھوڑ دیا ان کے پیغام سے منہ پھیر لیا۔ ان کی بات پہ کان نہ دھرا اس کے اسوہ حسنہ کو نہ اپنایا ان کی زندگی کو مشعل راہ نہ بنایا لیکن ان کی یاد میں جشن و جلوس کا اہتمام کر کے سمجھے کہ ہم نے محبت کا حق ادا کردیا ہے کیا تمہیں یہ معلوم نہیں اسی پیغمبر صادق و مصدوق ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا من احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنة کہ مجھ سے اس کو محبت ہے جس کو میری سنت سے محبت ہے۔ آج سنت سے نفرت کرتے ہو اور اس کی شخصیت سے محبت کا دم بھرتے ہو۔

تعصی الرسول و تظهر حبه
ذالک فی الزمان بدیع
لوکان حبک صادقا لاطعته
ان المحب لمن یحب مطیع